ایمان کی لذت، ایمان کا پھل کیسے حاصل ہو؟
نفس کا تزکیہ اور باطنی اَمراض کا علاج کیسے کیا جاسکتا ہے؟ مسلمان کی زندگی
کا مِحْوَر کیا ہے؟ اسلام کو سمجھنے میں پیش آنے والی غلط فہمیاں، آدابِ زندگی کے معاملات میں کوتاہیاں،
گناہوں کے ارتکاب اور نیکیاں ضائع ہونے کا سبب کیا ہے؟ ان ساری چیزوں کی معلومات
کے لیے ایک بہترین رسالہ

ایمان کا بیج اور پھل

شیخ الحدیث والتفسیر ابو صالح مفتی محمد قاسم عطاری مد ظلہ العالی

پیشکش:
مجلسِ اِفتاء (دعوتِ اسلامی)

دارالافتاء اہلسنت (دعوتِ اسلامی)
DARUL IFTA AHLESUNNAT

ایمان کی لذت، ایمان کا پھل کیسے حاصل ہو؟
نفس کا تزکیہ اور باطنی اَمراض کا علاج کیسے کیا جاسکتا ہے؟ مسلمان کی زندگی
کا مَحْوَر کیا ہے؟ اسلام کو سمجھنے میں پیش آنے والی غلط فہمیاں، آدابِ زندگی کے معاملات میں کوتاہیاں،
گناہوں کے ارتکاب اور نیکیاں ضائع ہونے کا سبب کیا ہے؟ ان ساری چیزوں کی معلومات
کے لیے ایک بہترین رسالہ

ایمان کا بیج اور پھل

شیخ الحدیث والتفسیر ابو صالح مفتی محمد قاسم عطاری مد ظلہ العالی

پیشکش:
مجلسِ اِفتاء (دعوتِ اسلامی)

دار الافتاء اہلسنت (دعوتِ اسلامی)
DARUL IFTA AHLESUNNAT

فہرست

صفحہ	موضوع	نمبر شمار
3	**ایمان کا بیج اور پھل**	1
3	ایمان کا بیج	2
5	ایمان اور امتحان	3
6	مکمل دین پر مکمل عمل کریں	4
7	مسلمان کی زندگی کا بنیادی مَحور	5
8	**اسلام کے سمجھنے میں غلط فہمیوں کا اِزالہ**	6
8	پہلی غلط فہمی: ایمان و عمل میں خلیج	7
9	دوسری غلط فہمی: عبادت و اَخلاق میں خلیج	8
9	تیسری غلط فہمی: اچھے معاشرتی اخلاق کو کافی سمجھ لینا	9
10	چوتھی غلط فہمی: نیکیوں کو کافی سمجھنا اور گناہ نہ چھوڑنا	10
10	پانچویں غلط فہمی: سب کچھ ٹھیک، لیکن لقمہ حلال کی فکر نہیں	11
11	چھٹی غلط فہمی: آدابِ زندگی میں کوتاہیاں	12
13	دین کی تعلیمات کا خلاصہ	13
13	دینی احکام کا ایک نہایت اہم پہلو	14
13	**قلبی و روحانی اَمراض کے نقصانات**	15
13	پہلا نقصان: مزید گناہوں کا ارتکاب	16
14	دوسرا نقصان: نیکیوں کی بربادی	17
15	ایمان کا پھل کیسا ہو؟	18
15	تخمِ ایمان کا ثمر "عاجزی"	19

20	آقا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے غلاموں کے درمیان بیٹھتے	16
21	میں لکڑیاں اکٹھی کروں گا	17
22	عاجزی و تکبر کا مقامِ وجود و ظہور	18
23	"ارکانِ نماز" عاجزی کی لاجواب مثال	19
24	" قَالُوْا سَلٰمًا " کی وضاحت	21
25	صحابہ کا ایمانِ کامل	21
26	دل کا تزکیہ کیسے حاصل ہو؟	26
27	باطنی امراض کے علاج کا طریقہ	26
28	ماخذ و مراجع	29

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه وَعَلٰى اٰلِكَ وَ اَصْحٰبِكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰه

اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نَبِیَّ اللّٰه وَعَلٰى اٰلِكَ وَ اَصْحٰبِكَ یَا نُوْرَ اللّٰه

ایمان کا بیج اور پھل

سرکارِ مدینہ راحت قلب و سینہ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اس کے دس گناہ معاف فرمادیتا ہے اور اس کے دس درجات بلند کر دیتا ہے۔[1]

صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب! صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد

ایمان کا بیج:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے الحمد للہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے دل نورِ ایمان سے روشن ہیں۔ اِس نعمت پر ہم خدا کا جتنا بھی شکر ادا کریں، کم ہے۔ ایمان ایک بیج کی طرح ہے، جو دل کی زمین میں اترتا ہے، جس سے نشو ونما پانے کے بعد اِس پاکیزہ درخت کے پورے وجود پر پھل ظاہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ایمان کی بہت خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے، چنانچہ سورہ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾ ترجمہ کنز العرفان: کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے کلمہ پاک کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے، جیسے ایک پاکیزہ درخت ہو جس کی جڑ قائم ہو اور اس کی شاخیں آسمان میں ہوں۔ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا ہے۔[2]

اس آیت میں فرمایا گیا کہ پاکیزہ کلمہ یعنی "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی مثال ایسے ہے جیسے ایک پاکیزہ درخت ہو، جس کی جڑیں زمین کی گہرائی میں مضبوطی سے گڑی ہوئی ہیں، جبکہ شاخیں آسمانوں تک پھیلی

---

1 ... (سنن النسائی، 50/03، ط: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر)

2 ... (پ13، ابراھیم: 24،25)

ہوئی ہیں اور یہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہر آن، ہر لمحہ پھل دیتا ہے۔

بیج زمین میں بویا جاتا ہے، جس سے اندر ہی اندر جڑیں بنتی ہیں اور اِس درخت کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوتی ہیں، جس پر لگنے والے پھلوں سے ہم فائدہ اٹھاتے اور لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ بڑی واضح سی بات ہے کہ جب کوئی بیج لگایا جائے، تو اس کا مقصد پھل حاصل کرنا ہوتا ہے۔ بیج کا مقصد اُسے محض زمین میں گاڑ کر بے پرواہ ہونا نہیں ہوتا، کہ اب گلے یا سڑے، رہے یا نہ رہے، پھل دے یا نہ دے، ہمارا اِس سے کوئی تعلق نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوتا، بلکہ اِسی لیے بیج لگاتے ہیں کہ اُس سے فائدہ حاصل ہو۔ اِس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ ایمان کا کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھ کر یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت واُلوہیّت اور رسول اکرم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی رسالت ونبوت کا اقرار کرنے کی وجہ سے ہم مسلمان قرار پاتے ہیں۔ یہ ایمان کا بیج ہے جس کی جڑیں آیت مبارکہ کے مطابق دل میں ہیں، لیکن اس کی شاخیں اپنی بلندی کے اعتبار سے آسمان کو پہنچی ہوئی ہیں۔

اب اِس بیج سے کیسا پھل نکلے گا، تو یہ بدیہی سی بات ہے کہ جیسا بیج ہوتا ہے، ویسا ہی اس کا پھل ہوتا ہے۔ آپ آم کا بیج لگا کر امرود کی تمنا نہیں کرسکتے۔ آپ سبزی کا بیج بو کر پھل کی تمنا نہیں کرسکتے۔ آپ کڑوی چیز کا بیج لگا کر میٹھی چیز کی تمنا نہیں کرسکتے، گویا جیسا بیج، ویسا پھل۔ اب آیت کریمہ پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے بیج کے بارے میں فرمایا: ﴿كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ﴾ یعنی کلمہ طیبہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، تو جس دل میں یہ بیج لگا ہوا ہے، کیا اُس کے اعمال خبیث ہوسکتے ہیں؟ کیونکہ اگر بیج پاکیزہ اور خوشبو والا ہے، تو پھر اس کے اوپر پھل بھی پاکیزہ اور خوشبو والا آنا چاہیے، لیکن اگر پھل کڑوا آرہا ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ بیج میں کوئی خرابی آچکی ہے، ہمارے دل میں کلمہ طیبہ ہے، معاذ اللہ کلمہ بذات خود تو خراب نہیں ہوسکتا۔ کلمہ طیبہ تو پاکیزہ کلمہ ہی ہے، وہ تو خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی رسالت پر ایمان کا نام ہے، اور یہ بیج تو طیب و پاکیزہ ہی ہے، لیکن ہماری حقیقتِ حال کا علم تو پھل سے ہوگا، جیسا پھل ہمارے عملی و اَخلاقی وجود سے ظاہر ہوگا، اُسی سے ہمارے دل کے بیج کی حالت و کیفیت یا حقیقت و متعلقات کا علم ہوگا۔ اگر ہمارا وجود ہر وقت اچھے اعمال کا پھل دے رہا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل کی گہرائیوں میں

حقیقتاً پاکیزہ بیج لگا ہوا ہے، لیکن اگر ہمارے بدن سے ظاہر ہونے والے اعمال بُرے ہیں، مثلاً، بد اخلاقی، ظُلم، بد نگاہی، برے اعمال، گندی سوچ، غلط سننا اور غلط بولنا، تو ہمیں غور کرنا پڑے گا کہ ہمارے اندر بیج کون سا لگا ہوا ہے؟ یا بیج کے آگے کہاں خرابی شروع ہو رہی ہے؟ یا بیج کے ساتھ یہ کانٹے دار جھاڑیاں کیوں اُگی ہوئی ہیں؟

ایمان اور امتحان:

ہمارا ایمان ہے کہ اِسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور یہ بات یقیناً حق ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہماری اپنی ذات کے اعتبار سے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اسلام پسندیدہ دین ہے اور میں مسلمان ہوں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارا محض ایمان کا زبانی اقرار کر لینا کافی نہیں، چنانچہ دوٹوک الفاظ میں فرمایا: ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالعرفان: کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہتے ہیں ہم "ایمان لائے" اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟[1]

یہ آیت مبارکہ بڑے واضح الفاظ میں بیان کرتی ہے کہ لوگوں کا صرف اتنا کہہ دینے **"ہم تو ایمان والے ہیں"** کی بنیاد پر چھوڑا نہیں جائے گا، بلکہ اُن کا مختلف طرح امتحان لیا جائے گا۔ اِسے یوں سمجھیے کہ جب کوئی آدمی کسی جگہ جاب (Job) کے لیے اَپلائی (Apply) کرتا ہے اور وہ زبانی کلامی اپنی ڈِگریاں بتاتا ہے کہ جناب! میں نے کمپیوٹر کا فلاں کورس کیا ہوا ہے، میں نے مینیجمنٹ (Management) کا کورس کیا ہوا ہے، تو کیا اُس کے صرف اِتنا بتا دینے پر اُسے نوکری دے کر چیئر (Chair) پر بٹھا دیا جاتا ہے؟ یقیناً نہیں، بلکہ اَسناد وغیرہا دیکھی جاتی ہیں اور صلاحیت کو جانچنے کے لیے اُسے کچھ کام دیا جاتا ہے کہ آپ اِسے کر کے دکھائیں، تو یوں معمولی نوکری کے لیے امیدوار کا امتحان لیا جاتا ہے۔ جب دنیا کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر امتحان اور معمولی سے دعویٰ کی جانچ پرکھ ہونا ہمارے مشاہدے میں ہے، تو پھر مومن ہونے کے دعویٰ پر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اِتنا دعویٰ ہی کافی ہے اور بس اِسی بنیاد پر بلاحساب جنت میں بھیج دیا جائے گا، بلکہ قرآن نے بار بار فرمایا کہ تمہارا امتحان لیا جائے گا، جیسے تم سے پہلے آنے والوں کا امتحان لیا گیا۔ قرآن مجید نے اس امتحان کی شدت یوں بیان فرمائی: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ

---

1 ... (پ20، العنکبوت: 02)

زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِؕ-اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ ترجمہ کنزالعرفان: کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر پہلے لوگوں جیسی حالت نہ آئی۔ انہیں سختی اور شدت پہنچی اور انہیں زور سے ہلا ڈالا گیا یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے کہہ اٹھے: اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن لو! بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔[1]

اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت خَبّاب بن اَرت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ خانہ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر مبارک سے تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما تھے، ہم نے حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے عرض کی: یارسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ! ہمارے لیے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ ہماری کیوں مدد نہیں کرتے؟ ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگ گرفتار کیے جاتے تھے، زمین میں گڑھا کھود کر اس میں دبائے جاتے تھے، آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر ڈالے جاتے تھے اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت نوچے جاتے تھے، لیکن ان میں سے کوئی مصیبت اُنہیں ان کے دین سے روک نہ سکتی تھی۔[2]

ہمارا ایمان اور دعویٰ ہے کہ خدا کی بارگاہ میں ہمارا دینِ اسلام پسندیدہ ہونے کے ساتھ، دینِ کامل بھی ہے۔ کامل سے مراد ایسا دین ہے کہ جو زندگی کے تمام معاملات میں اچھی تعلیمات دے اور زندگی کے ہر موڑ اور موقع پر راہ نُما بنے، لہٰذا وہ دین کبھی کامل نہیں ہو سکتا، جو عقیدے تو بتائے، لیکن عبادات کا درس نہ دے یا اگر عبادات کا درس دے تو معاشی معاملات کی رہنمائی نہ کرے یا اگر معاملات درست کرے، تو خاندانی زندگی نہ سدھارے۔ ایسی کسی بھی کمی کا شکار دین، دینِ کامل نہیں ہو سکتا۔

مکمل دین پر مکمل عمل کریں:

اگر کوئی شخص اسلام قبول نہیں کرتا، تو یہ اُس کا مسئلہ ہے، لیکن جب کوئی مسلمان ہو جائے تو اب یہ نہیں ہو سکتا کہ دین اس کی مرضی کے مطابق چلے کہ کچھ احکامات تو وہ مان لے اور جہاں جس مسئلے پر دل راضی

1...... (پ02، البقرۃ:214)

2...... (بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ۴/ ۲۰۱، الحدیث: ۳۶۱۲)

نہ ہو، اُسے چھوڑ دے، ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا۔ اِس کی عام سی مثال یہ ہے کہ جب ہم کسی ادارے میں جاب (Job) کے لیے جانا چاہیں، تو یہ ہماری مرضی ہے کہ ہم ادارے میں جائیں یا نہ جائیں، لیکن جب چلے گئے اور جاب کرنے لگے، تو اب بہر صورت وہاں کے قوانین پر عمل کرنا پڑے گا۔ اسی طرح کسی ملک میں جائیں یا نہ جائیں، یہ ہماری مرضی ہے، لیکن جب چلے جائیں، تو پھر اُس ملک کے قوانین پر چلنا پڑے گا۔ اگر ملک میں داخل ہو جائیں اور بولیں کہ آدھے قوانین مانوں گا اور آدھے نہیں، تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ کچھ اسی قسم کا یا اس سے بڑھ کر معاملہ اسلام کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان ہونے والوں کو اپنے آخری نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ذریعے قرآن عطا فرمایا، اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے عقائد، عبادات، اَخلاقیات، حلال و حرام اور آدابِ زندگی کی ہدایات دی ہیں، اب اِس کے ساتھ یہ فرمادیا: ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَاۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالعرفان: تو کیا تم اللہ کے بعض احکامات کو مانتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو؟ تو جو تم میں ایسا کرے اس کا بدلہ دنیوی زندگی میں ذلت و رسوائی کے سوا اور کیا ہے اور قیامت کے دن انہیں شدید ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔[1]

یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی مسلمان بعض اسلامی احکام مانے اور بعض نہ مانے۔ جو یہ کرے گا تو وہ دنیا میں رسوائی اور آخرت میں سزا کا مستحق ہو گا، لہٰذا اِس تفصیل کے مطابق واضح ہو گیا کہ دین کی حقیقی روح صرف کلمہ پڑھ لینے یا صرف نماز پڑھ لینے کا نام نہیں، بلکہ عقیدہ درست ہونا، نماز اور عبادات کی پابندی، نیز دیگر اَحکام پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ کلمہ طیبہ کا جو بیج ہمارے دل میں ہے، اس پر پاکیزہ اسلامی کردار کا پھل بھی نمودار ہونا چاہیے۔

مسلمان کی زندگی کا بنیادی مَحور:

اصلاً تو سارا قرآن ہی بہترین مشعلِ راہ ہے، لیکن اِسی قرآن میں کچھ ایسی آیات بھی ہیں کہ اگر ہم صرف بطورِ مقصد و نصیحت اُنہیں اپنالیں تو ہماری ساری زندگی بامقصد ہو جائے گی۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ

1 ... (پ01، البقرۃ: 85)

اگر ہم اپنی زندگی میں دنیاوی اعتبار سے ایک مقصد طے کرلیں تو ہمارے دن رات کے سارے اَعمال واَفعال اُسی مقصد کے حصول اور اُسے مکمل کرنے کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اُن مقاصِد میں پیسہ، حصولِ عزت، امتحان میں کامیابی یا جیت وغیرہا کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہم اہلِ ایمان کو انتہائی خوبصورت مقصدِ زندگی عطا فرمایا ہے، اگر وہ مقصد ہمارے لوحِ دل پر ثَبت ہو جائے، تو ہماری زندگی بامقصد بھی ہو جائے اور تمام اَعمال بھی درست ہونا شروع ہو جائیں۔ اس مقصد اصلی و حقیقی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یوں رہنمائی فرمائی ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ترجمہ: تم فرماؤ، بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔[1] اگر ہماری زندگی کے مقصد میں یہ چیز شامل ہو جائے کہ دنیاوی اعتبار سے ہمارے جو بھی اَہداف ہوں، لیکن اُس کے پیچھے خدا کے ساتھ تعلق کے لحاظ سے ہمارے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ ہماری نمازیں، عبادتیں، زندگی اور موت سب اللہ کے لیے ہے، تو ہماری زندگی کے سارے اعمال رضائے الٰہی کے مطابق ہونا شروع ہو جائیں گے کہ ہم نے جب یہ طے کرلیا ہوگا کہ ہمارا جینا خدا کے لیے ہے، تو خدا کے لیے جینے سے مراد یہ ہے کہ ہمارا کوئی عمل اس کی نافرمانی پر مشتمل نہ ہو، بلکہ اس کے اَحکام کے مطابق ہو۔ اس سوچ کے بعد ہمارے سارے اَعمال اس کے مطابق ہونا شروع ہو جائیں گے۔

اسلام کے سمجھنے میں غلط فہمیوں کا اِزالہ:

لوگوں نے دین کے متعلق ایسے بہت سے تصورات بنائے ہوئے ہیں، جو دین اسلام کی تعلیمات سے بہت دور ہیں۔

پہلی غلط فہمی: ایمان و عمل میں خلیج:

بعض لوگ اس طرزِ فکر پر ڈٹے ہوتے ہیں کہ بس عقیدہ درست ہونا چاہیے، بقیہ اعمال کی خیر ہے۔ فی نفسہٖ تو یہ بات اتنی حد تک درست ہے کہ عقیدہ کی درستی ضروری ہے اور اَعمال کی کوتاہی کی معافی ممکن ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ خود دین کا مطالبہ کیا ہے؟ نیک اَعمال کیے جائیں یا سستی کی نظر کر دیے جائیں؟ دین کا تقاضا

---

1 .... (پ08، الانعام: 162)

تو یہی ہے کہ عقائد لازمی طور پر درست ہوں، لیکن اس کے ساتھ خدا کے اَحکام پر عمل اور اس کی نافرمانی سے اِجتناب بھی کیا جائے اور عقیدے کی درستی واہمیت کو بے عملی کے لیے حیلہ نہ بنایا جائے۔

دوسری غلط فہمی: عبادت واَخلاق میں خلیج:

بعض لوگ اِس چیز پر خوش ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نمازی ہیں، لیکن اگر اس طرف نظر کی جائے کہ کیا اُن کے اخلاق بھی ویسے ہیں، جیسے اَخلاق اپنانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، تو صورت حال یہ سامنے آتی ہے کہ بہت سے لوگ اگرچہ نماز کے پابند ہوتے ہیں، مگر مزاج میں بد اَخلاقی، رویوں میں غصہ، طبیعت میں حسد، دوسروں سے متکبرانہ اور مغرورانہ لہجے میں بات کرنا، دل آزاری، تکلیف پہنچانا اور گالی گلوچ کرنا اُن کی عادت ہوتی ہے۔ کیا یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں قرب کے لائق ہیں؟ ہر گز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ محبوب ہے، جو نمازی اور عبادت گزار ہونے کے ساتھ اچھے اخلاق والا بھی ہو، چنانچہ نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اچھے اخلاق والے کا مرتبہ ومقام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”إن المؤمن ليدرك بحسن خلقه درجة الصائم القائم “ترجمہ: بے شک مومن اپنے حسن اخلاق کے ذریعے وہ مقام حاصل کرلیتا ہے جو رات کو عبادت کرنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کا ہے۔[1]

تیسری غلط فہمی: اچھے معاشرتی اخلاق کو کافی سمجھ لینا:

بعض لوگ اس پر خوش ہیں کہ ہمارے اخلاق بڑے اچھے ہیں، ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے، کسی کو برا نہیں کہتے، اچھے انداز میں بات کرتے ہیں، لیکن یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے اور دیگر فرض عبادات چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی ہلاکت ہے، کیونکہ اُخروی سعادتوں اور کامیابیوں کے لیے صرف اچھے اخلاق اور انسانیت کے نعرے کافی نہیں، بلکہ فرض عبادات کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ نبی اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے واضح طور پر فرمایا کہ قیامت کے دن پہلا سوال نماز کے بارے میں ہو گا، چنانچہ جامع ترمذی میں ہے: اول ما يحاسب به العبد يوم القيامة من عمله صلاته۔ ترجمہ: قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے جس

---

1 ... (سنن ابی داؤد، 176/07، ط: دار الرسالۃ العالمیۃ، بیروت)

عمل کا حساب ہو گا، وہ نماز ہے۔[1]

چوتھی غلط فہمی: نیکیوں کو کافی سمجھنا اور گناہ نہ چھوڑنا:

کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو نمازی بھی ہیں اور لوگوں کے حقوق کا بھی خیال رکھتے ہیں، لیکن اگر گناہوں کے متعلق حالت دیکھی جائے کہ کیا آنکھوں کو حرام سے بچاتے ہیں؟ کیا ایسی جگہ پر تو نظر نہیں ڈالتے کہ جہاں قصداً نظر ڈالنے سے ہمارے خدا نے ہمیں روکا ہے؟ کیا کان وہی سنتے ہیں، جسے سننے کی اللہ اور اُس کے رسول نے ہمیں اجازت دی ہے؟ تو یہ صورت حال سامنے آتی ہے کہ آنکھ حرام سے نہیں بچتی اور کان ہر اچھی بری چیز سُن لیتے ہیں۔ تو یاد رکھیے یہ اُسی آیت کی عملی نافرمانی ہے جس میں فرمایا: ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ ترجمہ: تو کیا تم اللہ کے بعض احکامات کو مانتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو؟[2]

پانچویں غلط فہمی: سب کچھ ٹھیک، لیکن لقمہ حلال کی فکر نہیں:

بعض لوگ حرام نظر سے بھی بچتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں، اخلاق بھی اچھے ہیں، مگر ایک اہم معاملے میں غافل و کاہل ہیں اور وہ کاروبار میں حلال و حرام کا لحاظ کرنا ہے۔ ہمارے کامل و اکمل دین میں خرید و فروخت کے باقاعدہ اصول و اَحکام و تفصیلات موجود ہیں، لیکن آج کے زمانے میں لوگوں کی بڑی تعداد اُن احکام سے دور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالعرفان: اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔[3] اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ ترجمہ کنزالعرفان: اے ایمان والو! باطل طریقے سے آپس میں ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ البتہ یہ (ہو) کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔[4]

---

1 ۔۔۔ (جامع الترمذی، 384/02، ط: دار الغرب الاسلامی، بیروت)

2 ۔۔۔ (پارہ1، البقرۃ:85)

3 ۔۔۔ (پ02، البقرۃ:172)

4 ۔۔۔ (پ05، النساء:29)

چھٹی غلط فہمی: آدابِ زندگی میں کوتاہیاں:

بعض لوگ بہت ساری چیزوں کا لحاظ کرتے ہیں، لیکن آدابِ زندگی اور رہن سہن کے طور طریقوں کا لحاظ نہیں کرتے، حالانکہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح نماز اور دیگر چیزوں کا حکم دیا، اُسی طرح زندگی گزارنے کے آداب بھی ہمیں سکھائے، جن میں بہت سی چیزیں واجب ولازم بھی ہیں۔ آدابِ زندگی کے متعلق درجنوں آیات موجود ہیں۔ چند آیات نقل کرتا ہوں۔

مجلس کے آداب بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے (کہ) مجلسوں میں جگہ کشادہ کرو تو جگہ کشادہ کردو، اللہ تمہارے لئے جگہ کشادہ فرمائے گا۔[1] اِس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ اے ایمان والو! جب کسی بھی اجتماع، محفل یا ایسی جگہ ہو کہ جہاں بہت سارے لوگ بیٹھے ہوں اور پھر کوئی آنے والا آئے اور تم سے کہا جائے کہ جگہ کشادہ کردو، تو اُس کے لیے فوراً جگہ چھوڑ دیا کرو، یہ آنے والے کا اِعزاز واِکرام اور بہترین حسنِ معاشرت واُخُوَّت ہے۔

گھر میں داخل ہونے کے آداب بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا گیا، کہ جب کسی کے ہاں جاؤ، تو جب تک سلام نہ کرلو اور اجازت نہ لے لو، گھر میں داخل نہ ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور ان میں رہنے والوں پر سلام نہ کرلو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت مان لو۔[2] اس خوبصورت فرمان کا تعلق آدابِ زندگی سے ہے کہ کسی کے گھر جائیں تو اجازت لینا واجب اور سلام کرنا سُنَّت ہے۔ پھر اسی طرح نبی اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جب کسی کے گھر جاؤ اور تین مرتبہ دروازہ کھٹکھٹاؤ اور کوئی جواب نہ دے، تو واپس پلٹ آؤ، چنانچہ سنن ابو داؤد میں ہے: "إذا استأذن أحدكم ثلاثا فلم يؤذن له فليرجع" ترجمہ:

1..... (پ28، المجادلة: 11)

2..... (پ18، النور: 27)

اگر تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت چاہے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ جانا چاہیے۔[1] ایسا نہیں کہ دروازہ بجاتے رہیں یا بیل (Bell) پر انگلی رکھ کر بھول جائیں کہ انگلی سے کسی چیز کو دبایا ہوا بھی ہے اور یاد رکھیے کہ جو ہم گھر کا دروازہ بجاتے ہیں یا بیل بجاتے ہیں، اِسی پر اپنے موبائل کو قیاس کر لیں کہ اگر آپ نے کسی کو ایک دو مرتبہ فون کیا اور اُس نے نہیں اٹھایا، تو مسلسل بلاوقفہ کال کرتے جانا درست نہیں، یہ طریقہ ہمارے دین کی خوبصورت تعلیمات کے خلاف ہے۔

گفتگو اور چلنے کے آداب کے متعلق قرآنِ مجید میں حضرت لقمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی اپنے بیٹے کو کی گئی چند نصیحتیں نقل کی گئیں، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:﴿وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا﴾﴿وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ﴾ ترجمہ: اور لوگوں سے بات کرتے وقت اپنا رخسار ٹیڑھا نہ کر اور زمین میں اَکڑتے ہوئے نہ چل اور اپنے چلنے میں درمیانی چال سے چل اور اپنی آواز کچھ پست رکھ، بیشک سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔[2]

اِن دو آیتوں میں چند چیزوں کو سمجھایا گیا:

پہلی بات یہ ہے کہ جب بھی کسی سے بات کی جائے تو خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے گفتگو کی جائے۔ ماتھے پر بَل ڈال کر، تلخ لہجے اور رخسار ٹیڑھا کر کے بات کرنا مسلمان کا طریقہ نہیں۔

دوسری بات یہ سمجھائی گئی کہ زمین پر اَکڑ کر مت چلو، بلکہ مہذب اور مناسب چال سے چلو کہ بندگانِ خدا کے چلنے کا انداز ایسا ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ اپنی آواز کو پست رکھا کرو، چیخ کر اور اونچی آواز سے بولنا، بالخصوص کسی دوسرے کے گھر کے سامنے اونچی اونچی آواز سے باتیں کرنا، بولنے کے مہذب اور شریفانہ انداز کے خلاف ہے۔ اس بے تہذیبی کے انداز کو قرآن مجید نے سخت الفاظ سے مذموم قرار دیا ہے کہ سب سے ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے، گدھے کی آواز بہت اونچی ہوتی ہے، تو بہت اونچی آواز میں اور چیخ چیخ کر بات نہ کرو کہ گدھا اس انداز میں اونچی آواز سے چیخ کر رینکتا ہے۔ گلی محلے میں رات گئے بیٹھ کر گپیں مارنے، شور مچانے، قہقہے

---

1 ...... (سنن ابی داؤد، 07/480، ط: دار الرسالة العالمیة، بیروت)

2 ...... (پ21، لقمان: 18.19)

لگانے والوں کے لیے اس حکم میں کافی نصیحت ہے۔

یہ چند آیتیں میں نے آپ کے سامنے عرض کی ہیں۔ ان آیتوں میں آدابِ زندگی سکھائے گئے ہیں اور یہ وہ آدابِ زندگی ہیں جنہیں ہم نبی اکرم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی سنتیں اور آدابِ دین کہتے ہیں۔

دین کی تعلیمات کا خلاصہ:

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے عقائد کا بیان ایک جگہ نہیں، سینکڑوں جگہ فرمایا ہے، نماز و عبادات کا ذکر ایک جگہ نہیں پچاسیوں جگہ فرمایا ہے، حلال و حرام کا بیان ایک جگہ نہیں، بیسیوں جگہ فرمایا ہے، اخلاقیات کا بیان، ایک جگہ نہیں درجنوں مقامات پر فرمایا ہے۔ اسی لیے تو ہمارا دین، کامل و اکمل و مکمل ہے اور اس پورے دین پر عمل کا حکم ہے۔

دینی اَحکام کا ایک نہایت اہم پہلو:

اوپر بیان کردہ تمام اَحکام کے ساتھ ہماری دینی تعلیمات کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ ہے باطنی کیفیات، باطنی اَمراض اور باطنی معاملات یعنی قلب کو اچھے اخلاق سے سجانا اور برے اوصاف سے پاک کرنا۔ اچھے اَخلاق میں اِخلاص، صبر، شکر، توکل، قناعت، محبتِ الٰہی، محبتِ رسول صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، فکرِ آخرت، خدا کی رضا کی طلب وغیرہ شامل ہیں، جبکہ دل کے رذائل یعنی بری صفات میں ریاکاری، حسد، بغض، تکبر وغیرہ شامل ہیں۔ اچھے اخلاق اچھے افعال کا ذریعہ بنتے ہیں، جبکہ برے اخلاق برائیوں کی جڑ اور بنیاد ثابت ہوتے ہیں۔

قلبی وروحانی اَمراض کے نقصانات

پہلا نقصان: مزید گناہوں کا ارتکاب:

دل کے برے اخلاق بہت سی برائیوں کی جڑ اور بنیاد بنتے ہیں، مثلاً اگر کسی کے دل میں دوسرے شخص کے بارے میں حسد ہو، اس کی نعمت پر آدمی کڑھے، جلے اور دوسرے سے نعمت کے زوال کی تمنا کرے کہ اُس سے یہ نعمت ختم ہو جائے، جیسے دوسرے کے پاس بہت پیسہ ہے تو یہ آرزو ہو کہ اس کا پیسہ ختم ہو جائے یا دوسرے کی لوگوں میں بڑی عزت ہے، تو یہ تمنا کہ معاشرے میں ذلیل ہو جائے، یا کسی کے پاس بہت زیادہ نعمتیں ہیں، تو یہ خواہش پالنا کہ اس کی نعمتیں ختم ہو جائیں۔ یہ سب حسد کی مثالیں ہیں، پھر اِسی حسد سے مزید

خرابیاں جنم لیتی ہیں، کیونکہ جس کے ساتھ حسد ہوتا ہے، اس کی برائی بیان کرنے میں مزہ آتا ہے۔ اب اگر غائبانہ طور پر اس کی برائی کی اور وہ برائی اُس میں موجود ہے، تو یہ غیبت ہوگی، وہ برائی اس میں موجود نہیں ہے تو بہتان ہے۔ پھر جس کے بارے میں دل میں حسد ہوتا ہے، تو حاسد کوشش کرتا ہے کہ کسی طریقے سے اسے نقصان پہنچائے، یہ سب باتیں حسد کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور حسد کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

دوسرا نقصان: نیکیوں کی بربادی:

روحانی بیماری کے دیگر بھیانک نتائج ملاحظہ کریں۔ قلبی اَمراض میں ایک مرض ریاکاری ہے کہ نیک اَعمال میں اِس طرح کی نیتیں ہوں کہ مجھے شہرت ملے، لوگ مجھے اچھا کہیں، لوگ میری "واہ واہ" کریں، میری تعریف کی جائے، لوگ مجھے نمازی سمجھیں، پرہیزگار سمجھیں، میری تعظیم کریں، میرے ہاتھ چومیں، میرے آنے پر کھڑے ہو جائیں وغیرہا۔ اس طرح کی تمام نیتیں ریاکاری وحُبِ جاہ میں داخل ہیں اور اس کا نقصان یہ ہے کہ ریاکاری والا عمل برباد ہو جاتا ہے، مثلاً ریاکار نے مسجدیں بنائی ہوں یا دیگر نیکی کے بڑے کام کیے، اس کے باوجود اُس کی یہ نیکیاں برباد ہو جائیں گی اور ان پر اسے کچھ ثواب نہیں ملے گا، چنانچہ حدیث مبارک میں ہے کہ "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے اُن پر (اپنی شان کے مطابق) تجلی فرمائے گا، اس وقت ہر اُمت گھٹنوں کے بل کھڑی ہوگی۔ سب سے پہلے جن لوگوں کو بلایا جائے گا ان میں ایک قرآن کریم کا حافظ، دوسرا راہِ خدا میں مارا جانے والا شہید اور تیسرا مالدار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حافظ سے ارشاد فرمائے گا: "کیا میں نے تجھے اپنے رسول پر اُتارا ہوا کلام نہیں سکھایا تھا؟" وہ عرض کرے گا: "کیوں نہیں، اے رب تعالیٰ!" اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: "پھر تُو نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟" وہ عرض کرے گا: "یارب تعالیٰ! میں دن رات اسے پڑھتا رہا۔" اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: "تو جھوٹا ہے۔" اسی طرح فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ "تو جھوٹا ہے۔" پھر اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا: "تیرا مقصد تو یہ تھا کہ لوگ تیرے بارے میں یہ کہیں کہ فلاں شخص قاری قرآن ہے اور وہ تجھے دنیا میں کہہ لیا گیا۔"

پھر مالدار کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا: "کیا میں نے تجھ پر اپنی نعمتوں کو اتنا وسیع نہ کیا کہ تجھے کسی کا محتاج نہ ہونے دیا؟" وہ عرض کرے گا: "کیوں نہیں، اے ربّ تعالیٰ۔" اللہ تعالیٰ ارشاد

فرمائے گا: ”تونے میرے عطا کردہ مال کا کیا کیا؟“ وہ عرض کرے گا: ”میں اس مال کے ذریعے صلہ رحمی کرتا اور تیری راہ میں صدقہ کیا کرتا تھا۔“ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ”تو جھوٹا ہے۔“ اسی طرح فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ ”تو جھوٹا ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا: ”تیرا مقصد تو یہ تھا کہ تیرے بارے میں کہا جائے کہ فلاں بہت سخی ہے اور وہ تجھے دنیا میں کہہ لیا گیا۔“

پھر راہِ خدا تعالیٰ میں مارے جانے والے کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا: ”تجھے کیوں قتل کیا گیا؟“ وہ عرض کرے گا: ”مجھے تیری راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تو میں تیری راہ میں لڑتا رہا اور بالآخر اپنی جان دے دی۔“ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ”تو جھوٹا ہے۔“ اسی طرح فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ ”تو جھوٹا ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا: ”تیرا مقصد تو یہ تھا کہ تیرے بارے میں کہا جائے کہ فلاں بہت بہادر ہے اور وہ تجھے دنیا میں کہہ لیا گیا۔“ پھر اللہ تعالیٰ کے محبوب دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اے ابو ہریرہ! یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے وہ پہلے تین افراد ہیں جن سے قیامت کے دن جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔“[1]

ایمان کا پھل کیسا ہو؟

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو دین عطا فرمایا، وہ عقائد، عبادات، معاملات، آدابِ زندگی، حلال و حرام کی تمیز اور دیگر کثیر چیزوں پر مشتمل ہے۔ جب دل میں ایمان کا بیج ہے، تو اس بیج سے جو پھل نکلنا چاہیے، وہ پھل بھی اسی ایمان کی طرح پاکیزہ ہونا چاہیے۔ اب وہ پاکیزہ پھل کیسا ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں کئی مقامات پر ایمان کے آثار، علامات اور نتائج بیان فرمائے ہیں۔ چند آیات ذکر کرتا ہوں۔

ثمرِ ایمان کا ثمر ”عاجزی“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ ترجمہ: اور رحمٰن کے وہ بندے جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے

1...... (جامع الترمذی، 04/189، ط: دار الغرب الاسلامی، بیروت)

بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں "بس سلام"۔[1] فرمایا گیا کہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں، جو زمین پر عاجزی، آہستگی اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں اور جب کوئی جاہل، بد تمیز آدمی اُن سے جھگڑا کرنے لگے، تو یہ اُسے سلام کہہ کر آگے گزر جاتے ہیں۔ یہ رحمٰن کے بندوں کے اوصاف بیان کیے گئے، اللہ کے پیارے بندوں کے چلنے میں تکبر اور فخر ظاہر نہیں ہوتا۔ اُن کی چال میں عاجزی، نرمی اور شائستگی پائی جاتی ہے، جیسے عام و خاص ہر موقع پر نبی کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا طریقہ تھا، مثلاً جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، تو نبی اکرم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اپنی اونٹنی پر سوار مکہ مکرمہ میں یوں داخل ہوئے کہ عاجزی سے اپنا سر مبارک اتنا جھکایا ہوا تھا کہ اونٹ کی کوہان کے ساتھ مس ہو رہا تھا جبکہ آپ دنیا کی تاریخ پڑھ کر دیکھ لیں کہ جب فاتحین کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں، تو ان کی حالت و کیفیت، رعب و دبدبہ اور انداز کیا ہوتا ہے۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کے درمیان بیٹھتے:

نبی کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی عاجزی کی ایک اور بہت خوبصورت ادا یہ تھی کہ آپ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ جب صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ کسی عام مجلس میں بیٹھتے تو آپ کسی جداگانہ یا نمایاں جگہ پر نہیں بیٹھتے تھے کہ نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے لیے علیحدہ جگہ ہو اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لیے علیحدہ جگہ ہو، بلکہ سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان ہی بیٹھتے، حتی کہ جب کوئی آدمی آتا تو آکر اُسے پوچھنا پڑتا، کہ اِن میں اللہ کے پیارے رسول کون ہیں؟ جب بہت مرتبہ ایسا ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کی: یارسول اللہ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ! آنے والا پریشان ہوتا ہے اور اسے پوچھنا پڑتا ہے تو کیا ہی بہتر ہو کہ ہم آپ کے لیے کچھ نمایاں نشست بنادیں تا کہ جب آپ بیٹھیں تو آنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ سارے غلام بیٹھے ہیں جبکہ ان کے آقا و مولا، رسولِ خدا وہاں کچھ بلند و نمایاں مقام پر تشریف فرما ہیں۔ اس کے بعد سرکار صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے لیے علیحدہ اور بلند نشست بنائی گئی، چنانچہ سنن ابو داؤد میں ہے: "نبی کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اپنے صحابہ کے درمیان ہی تشریف رکھا کرتے تھے، چنانچہ جب کوئی اجنبی حاضر ہوتا، تو وہ یہ پہچان نہ سکتا کہ آپ اِن میں کہاں جلوہ گر ہیں، لہذا اُسے پوچھنا

1...... (پ19، الفرقان:63)

پڑتا۔ چنانچہ ہم نے رسول کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں گزارش کی کہ ہم آپ کے لیے کچھ نمایاں مَسْنَد بنالیں تاکہ آنے والا اجنبی پہچان سکے۔ راوی کہتے ہیں کہ اجازت ملنے کے بعد ہم نے مٹی کا ایک چبوترہ سا بنا دیا اور آپ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اُس پر بیٹھنے لگے اور ہم آپ کے دائیں اور بائیں پہلو میں بیٹھتے۔"[1]

میں لکڑیاں اکٹھی کروں گا:

نبی کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عاجزی کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں، ایک سفر میں نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم صحابہ کرام کے ساتھ تھے، تو کسی جگہ قیام کیا، چونکہ اُس زمانے میں سفر آج جیسے نہیں ہوتے تھے، بلکہ جس جگہ ٹھہرتے، وہیں کھانا پکانا ہوتا تھا تو ذمہ داریاں تقسیم ہوتی تھیں، کسی نے بکری ذبح کرنی ہے، کسی نے لکڑیاں کاٹ کے لانی ہیں اور کسی نے خیمے لگانے ہیں وغیرہا۔ تو واقعہ یہ ہے کہ نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ دورانِ سفر ایک جگہ قیام کیا، ایک صحابی نے ذبح کرنا اپنے ذمے لے لیا، دوسرے نے مثلاً گوشت بنانا، تیسرے نے پکانا، چوتھے نے خیمے لگانا، وغیرہا، تو نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر میں لاؤں گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہم اس کے لئے کافی ہیں۔ تو نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اِس چیز کو ناپسند رکھتا ہے کہ کوئی بندہ اپنے مصاحبین کے مابین ممتاز حیثیت کے ساتھ رہے، چنانچہ "اتحاف السادۃ المتقین" میں ہے: ترجمہ: "ایک دفعہ نبی اکرم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے صحابہ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، چنانچہ آپ نے اپنے صحابہ کو بکری پکانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ ایک فرد نے عرض کی: میرے ذمہ بکری کو ذبح کرنا ہے۔ دوسرے نے کہا: میرے ذمہ کھال اتارنا ہے۔ تیسرے نے کہا: میرے ذمہ پکانا ہے، چنانچہ نبی اکرم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اُن سے فرمایا: میرے ذمہ یہ ہے کہ میں جلانے کے لیے لکڑیاں اکٹھی کروں گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: ہم آپ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف سے کام کرنے کو کافی ہیں۔ آپ نے جواب دیا: میں جانتا ہوں کہ تم لوگ مجھے کافی ہو، لیکن مجھے ناپسند ہے کہ آپ لوگوں

---

1 ... (سنن ابی داؤد، 07/84، ط: دار الرسالۃ العالمیۃ، بیروت)

سے ممتاز رہوں اور کام میں شرکت نہ کروں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے ممتاز دکھائی دے۔"[1]

عاجزی و تکبر کا مقام وجود و ظہور:

اِس واقعہ میں نبی اکرم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عاجزی ملاحظہ کیجیے کہ کس قدر شاندار ہے۔ یاد رکھیے! عاجزی اصل میں دل کا فعل ہے، جس کا ظہور انسان کے اعمال سے ہوتا ہے۔ اگر کسی کے دل میں تکبر ہو، تو وہ دوسروں سے سلام کرنے، بیٹھنے اور ملنے میں متکبرانہ انداز اپنائے گا۔ حقیقت میں تکبر اس کے دل میں ہوتا ہے، لیکن اس کا اظہار متکبر کے عمل سے ہوتا ہے، یونہی جس کے دل میں عاجزی ہو گی، اُس کا اظہار بھی اس کے عمل سے ہو گا۔ نبی اکرم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ "جس نے سلام لینے میں پہل کی وہ تکبر سے بری الذمہ ہو گیا۔"[2]

تکبر کی ایک مثال یہ ہے کہ کسی جگہ جا کر خود بڑھ کر سلام نہ لینا، بلکہ کھڑے رہنا ہے کہ لوگ مجھ سے آ کر سلام لیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ کسی معقول وجہ کے سبب آگے بڑھ کر سلام نہ کرنا، تکبر نہیں اور خود سے کسی پر یہ بدگمانی کرنا بھی جائز نہیں کہ یہ بندہ بڑا متکبر ہے، یہ اپنی جگہ سے اٹھتا ہی نہیں ہے، اس لیے کہ ہو سکتا ہے وہ ذکر اللہ کے لیے بیٹھا ہو، تسبیح کے لیے بیٹھا ہو، کوئی اور وجہ ہو، تو ہم کسی پر بدگمانی نہیں کریں گے، لیکن ہم اپنی ذات پہ غور کریں گے، کہ ہمارا رویہ کیا ہوتا ہے، مثلاً خاندان میں ہمارا رویہ کیا ہے؟ اگر ہماری حالت و کیفیت یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ دوسرا بڑھ کر ہم سے ملے، ہم آگے بڑھ کر کسی سے نہ ملیں۔ خاندان میں ناراضی ہو جائے تو ہم پہل نہیں کریں گے یا میں پہل کیوں کروں؟ میں اُس سے لے کے کھاتا ہوں، میں اُس سے چھوٹا ہوں، وہ خود آکر مجھ سے ملے، وغیرہا، تو عموماً یہ جملے تکبر کے طور پر ہوتے ہیں۔

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے وہ ہیں، جن میں عاجزی ہوتی ہے اور اُس عاجزی کا مرکز دل ہے۔ جب بندہ کلمہ پڑھتا ہے تو مومن ہوتا ہے، اُس کے دل میں ایمان کا بیج لگتا ہے۔ ایمان کا بنیادی مفہوم تو یہ

---

1 ۔۔۔ (اتحاف السادۃ المتقین، 210/08، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

2 ۔۔۔ (شعب الایمان، 433/06، رقم الحدیث: 8786)

ہوتا ہے کہ ہم نے خدا کی اُلوہیت اور اُس کے رسول صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی رسالت تسلیم کرلی۔ جب ہم نے خدا اور رسول کی عظمتیں مان لیں تو وہ عظمت و بڑائی ہمارے دلوں میں عاجزی پیدا کرتی ہے۔ ہمیں علم ہے کہ بڑائی خدا کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا کہ "عزت میری ازار اور کبریائی (بڑائی) میری چادر ہے، یعنی عزت و کبریائی میری صفات ہیں، چنانچہ جو شخص ان دونوں میں سے کسی چیز کے متعلق مجھ سے جھگڑے گا، تو میں اُسے عذاب دوں گا۔"[1]

"ارکانِ نماز" عاجزی کی لاجواب مثال:

بڑائی اور عظمت اللہ کی شان کے لائق ہے۔ جیسے ہم "اللہ اکبر" کہتے ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ سب سے بڑے کی بڑائی کو ماننا ہمارا ایمان تھا اور اس بڑائی کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی بڑائیوں کو نیچا کر دیں۔ نماز ہی کے ایک سبق اور حکمت پر غور کرلیں کہ نماز میں بھی عاجزی کا درس ہے، کیونکہ ایک آدمی بہت بڑا افسر یا بزنس مین یا خاندان یا قوم کا بڑا لیڈر یا ملک کا وزیر اعظم یا صدر ہوتا ہے، لیکن جب نماز میں کہتا ہے "اللہ اکبر" یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ تو گویا وہ کہتا ہے کہ میں اپنی بڑائی کو چھوڑتا ہوں اور خدا کی بڑائی کا اعتراف کرتا ہوں پھر اس کے بعد وہ بڑے سے بڑا آدمی نماز میں ہاتھ باندھتا ہے، یہ ایک غلامانہ وصف ہے، جیسے دنیا میں کوئی دینی یا دنیوی شخصیت کے سامنے دو چار آدمی یا پیر صاحب کے سامنے مُرید ہاتھ باندھے کھڑے ہوں، تو آپ کہیں گے کہ یہ لوگ اِس شخص کے مُحِب یا مُعتقِد یا ملازم ہیں، یعنی اس شخص کو بڑا شمار کریں گے اور اس کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے لوگوں کو اُس سے چھوٹا شمار کریں گے۔ بلا تمثیل و تشبیہ نماز میں جب بڑے سے بڑے عہدے والا یوں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے تو وہ اعتراف کرتا ہے کہ دنیا میں میرا جو بھی مقام و مرتبہ ہو، میں خدا کی بارگاہ میں صرف بندہ ہوں۔

یہ قیام میں بندگی تھی، جبکہ رکوع میں آدمی مزید جھک جاتا ہے، یہ اُس ہاتھ باندھنے سے بھی زیادہ عاجزی ہے، پھر سجدے میں تو انتہا کر دی کہ سجدے میں اپنی پیشانی اور چہرہ، جو انسان کے وجود کا سب سے شرف والا حصہ ہے، اسے بھی زمین پر رکھ دیتا ہے اور اگر خالی زمین یعنی مٹی پر بھی رکھنا پڑے، تو رکھ دیتا ہے۔

---

1 ... (الادب المفرد، ص:194، ط: دار البشائر الاسلامیۃ)

یہ بڑے سے بڑا پیسے والا، عہدے والا، منصب والا اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر گویا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ "یا اللہ" میں نے "اللہ اکبر" کہہ کر اعتراف کر لیا کہ بڑائی تیری شان کے لائق ہے اور اپنے ہاتھ باندھ کر سب کو بتادیا کہ میری حیثیت ایک بندے کی ہے، پھر میں نے رکوع میں جھک کر بتادیا کہ میری سب عظمتیں جھک گئیں پھر سجدے میں جا کر ظاہر کر دیا کہ میری حیثیت ہی کوئی نہیں۔ سبحان اللہ! معلوم ہوا کہ اگر نماز کی روح، مقصد اور روحانیت کو پوری طرح سمجھ لیں تو یہ نماز پانچوں وقت ہمیں عاجزی سکھاتی ہے۔ اسی لیے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے دلوں میں ایمان کا راسخ بیج، جب ایمان افروز پھل دیتا ہے، تو دیگر نتائج و ثمرات کے ساتھ ساتھ عاجزی بھی نمودار ہوتی ہے، اسی لیے نیک لوگوں میں کوئی متکبر نہیں ملے گا اور اسی وَصف کی برکت سے اُنہیں بلندی ملتی ہے، کیونکہ بندہ جتنی عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اتنی ہی بلندی عطا فرماتا ہے، چنانچہ نبی کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا "من تواضع للہ فقد رفعہ اللہ" جو اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرما دیتا ہے۔[1]

اسی عاجزی کا ایک اور پہلو عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عاجزی والا بندہ لوگوں کی غلطیاں معاف کر دیتا ہے، جبکہ متکبر آدمی معاف نہیں کرتا اور اِس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ متکبر کی "اَنا" کو ٹھیس پہنچتی ہے، جسے وہ کسی صورت معاف کرنے پر راضی نہیں ہوتا، لیکن جس کے دل میں عاجزی ہوتی ہے، وہ اِس ٹھیس کو غنیمت سمجھتا ہے کہ ٹوٹا ہوا دل تو خدا کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ نبی اکرم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی کہ معاف کرنے سے عزت کم نہیں ہوتی، چنانچہ "مسلم شریف" میں ہے: "ما زاد اللہ عبدا بعفو إلا عزا" ترجمہ: معافی ودرگزر سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ ہی کرتا ہے۔ (یعنی معاف کرنے سے عزت کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہوتی ہے۔)[2]

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ معاف کرنا تو کچھ آسان ہے، معافی مانگنا زیادہ مشکل لگتا ہے، لیکن معافی مانگنے سے بھی عزت کم نہیں ہوتی۔ اگر ایک آدمی سے غلطی ہو جائے اور وہ کسی سے معافی مانگ لے، تو چند بیوقوفوں

---

1 ... (المصنف لابن ابی شیبۃ، 120/07، مطبوعہ مکتبۃ الرشد)

2 ... (الصحیح لمسلم، 2001/04، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

کے علاوہ اکثریت ایسی ہو گی کہ جب آپ کسی سے معافی مانگیں گے، وہ فوراً کہے گا: کوئی بات نہیں، خیر ہے۔ بھائیوں میں ایسا ہو جاتا ہے اور اس عمل سے دوسرے کے دل میں آپ کی قدر بڑھ جائے گی کہ اِس بندے نے خود آگے بڑھ کے معافی مانگی ہے، اِسے اپنی غلطی کا احساس ہے، یہ بہت اچھا آدمی ہے، جبکہ اِس کے برعکس جو شخص غلطی کر کے اکڑتا پھرے، تو ہر دیکھنے والا کہتا ہے کہ یہ تو بہت متکبر آدمی ہے، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ معافی مانگ لے، جبکہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بندگانِ رحمٰن زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔

"قَالُوْا سَلٰمًا" کی وضاحت:

اوپر "سورۃ الفرقان" میں فرمایا گیا کہ جب جاہل لوگ اُن (رحمٰن کے بندوں) سے بات کرتے ہیں تو یہ اُن سے کہتے ہیں بس سلام۔ علمائے کرام نے اِس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں: یہاں اُن میں سے ایک معنیٰ بیان کیا جاتا ہے۔ آیت میں جاہل سے "بدتمیز، فضول کی بحثیں اور جھگڑے کرنے والا" شخص مراد ہے، ایسوں کے متعلق فرمایا گیا کہ جب کوئی بدلحاظ، بدتمیز اور منہ پھٹ آدمی کسی اللہ کے پیارے بندے سے بحث اور جھگڑا کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اللہ کا پیارا بندہ اسے لڑائی کے جواب میں لڑائی والا جواب نہیں دیتا، بلکہ اسے سلامتی والا جواب دیتا ہے۔ سلامتی والا جواب یہ ہے کہ برائی کا جواب اچھائی کے ساتھ، بدی کا جواب نیکی کے ساتھ، ظلم کا جواب عدل کے ساتھ، گالی کا جواب دعا کے ساتھ اور تکلیف کا جواب راحت کے ساتھ دیا جائے۔ جو تعلق توڑتا ہے، اُس سے تعلق جوڑا جائے، جو محروم کرتا ہے، اُسے عطا کیا جائے۔ جو دور ہوتا ہے، اسے قریب کیا جائے، جو متکبرانہ لہجہ اختیار کرے، اسے عاجزی سے جواب دیں۔

جب دل میں ایمان پوری طرح رَچ بَس جاتا ہے تو یہ سارے وصف خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک ایک چیز کو جداگانہ اختیار نہیں کرنا پڑتا، ایمانِ کامل حقیقتاً دل میں آجائے تو انسان کی زندگی یکدم بدل جاتی ہے۔

صحابہ کا ایمانِ کامل:

دور دراز سے آنے والے صحابہ کرام، نبی کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے، تو وہاں آٹھ دس سال نہیں گزارتے تھے، بلکہ آتے تھے اور دس، پندرہ، بیس یا تیس دن، نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں حاضر رہتے اور اَحکامِ شرع سیکھتے۔ نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ جو فرماتے، وہ

سنتے اور اپنے دل میں جگہ دیتے۔ دس پندرہ دن میں اُن کے دل کی دنیا بدل جاتی تھی۔ کیوں؟ اِس لیے کہ صحبتِ نبوی اور زیارت مصطفوی کی برکت سے ایمان کامل ان کے دلوں میں راسخ ہو جاتا تھا، جیسے قرآنِ پاک فرماتا ہے ﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ ترجمہ: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔[1]

افسوس! ہمارے اَعمال کے اعتبار سے تو یوں لگتا ہے، جیسے ایمان کامل ہمارے دلوں میں قطروں کی شکل میں جارہا ہے کہ قطرہ قطرہ بس اندر جاتا ہے اور پوری طرح دل میں اترنے سے پہلے ہی گناہوں کی حرارت، معصیت کی آگ اور غفلت کی تپش سے بخارات بن کے اڑ جاتا ہے۔ بس ہمارے دل میں کمزور سا اور ناقص ایمان ہوتا ہے، جبکہ جس کا سینہ اسلام کے لیے پوری طرح کھل جاتا ہے، تو اُسے ایسا لگتا ہے کہ جیسے اس کے دل میں یکبارگی ایک نور داخل ہو گیا۔ ایک خوشگوار اِحساس و بُرُودَت (ٹھنڈک)، ایک شیرینی و مٹھاس، ایک روحانیت و برکت، ایک فرحت و راحت اور ایک حلاوت و لذت دل میں داخل ہونے کا احساس ہوتا ہے، جو باطن کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ "نبی کریم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں جس شخص میں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا۔ جس کو اللہ اور رسول اُن دونوں کے ماسوا (یعنی سارے جہان) سے زیادہ محبوب ہوں اور جو کسی آدمی سے خاص اللہ ہی کے لیے محبت رکھتا ہو اور جو اسلام قبول کرنے کے بعد پھر کفر میں جانے کو اتنا ہی بُرا جانے جتنا آگ میں جھونک دیے جانے کو بُرا جانتا ہے۔"[2]

یعنی جس شخص میں تین چیزیں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس اپنے دل میں پالے گا۔ (۱) اللہ اور اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اُسے ساری کائنات سے بڑھ کر محبوب ہو جائیں۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت اس کے دل میں پیدا ہو جائے کہ کسی کو دینا بھی خدا کے لیے ہو اور کسی کو نہ دینا بھی خدا کے لیے ہو۔ یعنی اپنے تعلقات تک کو بھی وہ خدا کی رضا کے تابع کر دے اور (۳) کفر میں جانے کو اتنا ناپسند کرے، جتنا آگ میں جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ اگر اُس کے دل میں ایمان اتنا مضبوط ہو جائے، تو اسے ایمان کی حلاوت مل جائے گی۔ جب یہ حلاوت و کمال دلوں میں پیدا ہو جائے تو اعمال خود بخود سنورنے لگتے ہیں۔ پھر ایمان تقاضا کرتا ہے کہ دین سیکھ

---

1 .... (پ23، الزمر: 22)

2 .... (صحیح البخاری، 12/01، مطبوعہ دار طوق النجاۃ، بیروت)

کر اپنے وجود پر نافذ کرو، تا کہ تمہارے وجود سے دین نظر آئے، پھر اس کا سارا وجود ایمان کے رنگ میں ڈھل جاتا ہے، جیسے ہم صحابہ کرام یا صوفیائے کرام کی زندگیاں دیکھتے ہیں، تو اِس کا واضح مشاہدہ ہوتا ہے، مثلاً صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُم کا کاروبار دیکھیں تو دیانت داری انتہا کی تھی۔ اُن کی راتیں دیکھیں تو عبادت اپنے کمال پر تھی۔ اُن کی تلاوت پر نظر ڈالیں، تو راتیں قرآن کے ساتھ گزرتی تھیں۔ ان کے گھر کے معاملات دیکھیں، تو حسن سلوک اور ادائے حقوق کی فکر نظر آتی ہے۔ ان کے پڑوسیوں سے حسن سلوک اور تعلق کو دیکھیں، تو ایک سے بڑھ کر ایک اچھا سلوک کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اُن کے اخلاق اور عفو در گزر کو دیکھیں، تو ان جیسا اخلاق اور معاف کرنے کا جذبہ دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ سب فضل و کمال اور اخلاق و کردار اُن میں کہاں سے پیدا ہو جاتا تھا؟ وہی جو ایمان کی لذت و قوت اور شیرینی و حلاوت ان کے دلوں میں پیدا ہوتی تھی، وہ اُن کے سارے اعمال کو درست کر دیتی تھی۔

وہ وہی چیز ہے جو شروع میں بیان کی کہ کلمہ طیبہ کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، جس کی جڑیں تو زمین میں گڑی ہیں، لیکن اُس کی شاخیں آسمانوں کی بلندیوں کو پہنچی ہوئی ہیں۔

اِسی آیت مبارکہ کے نفیس نکات میں سے یہ بھی ہے کہ ایمان کامل کا درخت پروان چڑھتا ہے، تو جیسے درخت کی ہر شاخ پھلوں سے لَدی ہوتی ہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ چند شاخوں پر پھل لگا ہو اور چند خالی ہوں، بلکہ ایک ایک شاخ پھل دیتی ہے۔ اِسی طرح ہمارا دل شجرِ ایمان کے لیے جڑ کا مقام ہے اور ہمارا وجود اُس ایمان کے درخت کی شاخیں ہیں، لہٰذا جب ہمارا وجود درخت ہے، تو کیا ہمارے وجود کی ہر شاخ کے اوپر حسنِ اعمال کا پھل لگا ہوا ہے؟ مثلاً اگر ہماری زبان شیریں ہے، ہماری گفتگو اچھی ہے، ہماری باتیں خوبصورت ہیں، نیکی اور نیکی کی دعوت پر مبنی ہیں، لوگوں کا دل خوش کرنے والی ہیں، کسی کو تکلیف یا گالی دینے والی نہیں، کسی کو برا کہنے، غیبت کرنے، الزام لگانے، بہتان باندھنے، دکھ دینے، طعن و تشنیع کرنے اور لعنت بھیجنے والی نہیں، یعنی خلافِ شریعت کاموں کی مرتکب نہیں ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے دل میں جو ایمان کا بیج تھا، اُس کی زبان والی شاخ پر پھل لگے ہوئے ہیں۔

یونہی اگر ہماری آنکھیں فلمیں، ڈرامے، بیہودہ چیزیں نہیں دیکھتیں، بد نگاہی نہیں کرتیں، غیر عورت کو نہیں دیکھتیں، بلکہ اچھی چیزیں دیکھتی، خانہ کعبہ کی زیارت کرتی، علماء و صالحین کی زیارت کرتی، قرآن کی زیارت

سے مشرف ہوتی، اللہ و رسول کی پسندیدہ چیزیں دیکھتی اور ناپسندیدہ دیکھنے سے بچتی ہیں، تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری آنکھوں سے جو ایمان کے بیج کا پھل ملنا چاہیے، وہ ظاہر ہو رہا ہے۔

کان اگر تلاوت، نعت، ذکر، اچھی بات سننے کے عادی اور ممنوعات سے بچے ہوئے ہیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ ایمان کا درخت پھل دے رہا ہے۔

اسی طرح اگر ہمارے ہاتھ حرام نہیں کماتے، حرام کو نہیں چھوتے، بلکہ مجبوروں پر رحم، لوگوں سے حسن سلوک اور غریبوں کی مدد کرتے ہیں، نیز یتیموں کے سَر پر ہاتھ پھیرتے اور قرآن مجید چھوتے اور اٹھاتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کے بیج سے ہاتھوں کی شاخ پر حسنِ عمل کا پھل ظاہر ہو رہا ہے۔ یہی معاملہ ہمارے جملہ اعضاء کا ہے، حتی کہ ہمارا دل بھی بذاتِ خود بہت سے اعمال کا "کاسِب" یعنی کرنے والا ہے، بلکہ اِسے پورے جسم کا مرکز، منبع اور اصل قرار دیا گیا۔ نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: "بے شک جسم میں خون کا ایک ٹکڑا ہے جب یہ ٹھیک ہو جائے، تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب یہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، سُن لو! وہ دِل ہے۔"[1]

دل سدھر جائے تو پورا بدن سدھر جاتا ہے اور دل بگڑ جائے تو پورا بدن بگڑ جاتا ہے۔ پہلی مثال پر غور کریں کہ اگر دل میں گندی خواہشات پیدا ہو جائیں تو پورا بدن اسی کام میں لگ جاتا ہے، جیسے آنکھیں بیہودگی اور بے حیائی دیکھنے میں لگ جاتی ہیں، ہاتھوں میں چھونے کی طلب پیدا ہو جاتی ہے اور پاؤں اس کی طرف چلنا شروع کر دیتے ہیں، جبکہ اگر اسی دل میں خدا جل جلالہ کی محبت آجائے، سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا عشق اور ولیوں سے محبت پیدا ہو جائے، دین کی رغبت، قبر کی تیاری کی فکر، آخرت کی طلب اور لقائے الٰہی کا شوق پیدا ہو جائے، تو یہ فکر دل کو پاکیزہ کر دیتی ہے، جس سے پورا بدن سدھر جاتا ہے، پھر آنکھیں حرام نہیں دیکھتیں، زبان گناہ کی بات نہیں کرتی، کان گناہ کی بات نہیں سنتے، کیونکہ دل سدھر گیا ہے۔

دوسری مثال لے لیں کہ اگر دل میں تکبر پیدا ہو جائے، تو سارے بدن کا انداز بدل جائے گا، چلنے اور ہاتھ ملانے کا انداز متکبرانہ ہو گا، بیٹھنے کا انداز ٹیڑھا ہو گا، گردن اکڑی ہو گی، لوگوں کو دیکھنے کا انداز حقیرانہ

---

[1]... (صحیح البخاری، 20/01، ط: دار طوق النجاۃ، بیروت)

ہو گا، لیکن اگر دل میں عاجزی پیدا ہو جائے، تو چلنے، ہاتھ ملانے، گفتگو کرنے، لوگوں کو دیکھنے، ملنے کا انداز بدل جائے گا، کیوں؟ اس لیے کہ دل بدل گیا۔ یونہی اگر دل میں مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر کسی کو گالی نہیں دی جائے گی، برا نہیں کہا جائے گا بلکہ زبان سے خیر، رحمت، شفقت، نصیحت اور بھلائی کا کلمہ نکلے گا۔

جب یہ بنیاد سمجھ لی کہ دل سدھر جائے تو سارا بدن سدھر جاتا ہے اور دل بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے تو واضح ہو گیا کہ اگر ہمارے اعمال میں کوتاہی ہو تو ہمیں سمجھ جانا چاہیے کہ ہمارے دل میں ایمان کا بیج خراب ہو رہا ہے، لہذا اُسے صحیح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ ناممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل کو ایسا بنایا ہے کہ ہم اُسے جس طرف لے جانا چاہیں، لے جاسکتے ہیں۔ ہم اچھائی کی طرف لے جانا چاہیں، تو اس کے لیے ہزاروں راستے نکل آئیں گے اور اگر برائی کی طرف لے جانا چاہیں، تو برائی کے بھی ہزاروں راستے نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار بندے کو دیا ہے، چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے: ﴿وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ ترجمہ: اور (قسم ہے) جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا، پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیز گاری کی سمجھ اس کے دل میں ڈالی۔ بیشک جس نے نفس کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اور بیشک جس نے نفس کو گناہوں میں چھپا دیا وہ ناکام ہو گیا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس میں تقویٰ بھی رکھا اور فسق و فجور کی صلاحیت بھی ڈال دی۔ نیکی کا جذبہ بھی ودیعت کیا اور برائی کی لذت بھی رکھ دی، لیکن فرمایا کہ اس کے بعد اختیار بندے کا اپنا ہے، لہذا جس نے اپنے نفس کو ریاکاری، حسد، شہوت، بدنگاہی کی طلب اور برائی کے مزے سے پاک کر لیا، تو وہ فلاح پا گیا اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں میں ڈبو دیا، آنکھیں گناہوں میں، ہاتھ گناہوں میں، زبان گناہ میں لگا دی کہ کان گناہ کی بات سنیں، آنکھیں گناہ کی چیز دیکھیں، ہاتھ گناہ میں استعمال ہوں، حلال و حرام کی تمیز نہ ہو، نماز کی پرواہ نہ ہو، تلاوت سے دوری اور ذکر اللہ سے محرومی ہو تو یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو گناہوں میں دبا دیا اور یہ ناکام و نامراد ہو گیا۔

1..... (پ30، الشمس: 7تا10)

دل کا تزکیہ کیسے حاصل ہو؟

دل کا تزکیہ یعنی پاکیزگی کیسے حاصل ہوتی ہے؟اِس کے تین طریقے ہوتے ہیں۔

ایک یہ ہے کہ آدمی اس کے بارے میں معلومات حاصل کرے کہ دل کی خرابیاں کیا ہیں ؟ کیونکہ مرض کا علاج تب ہی ممکن ہوتا ہے، جب مرض کی تشخیص ہو، **دوسری بات یہ** کہ علاج کی طلب یا حاجت محسوس کرے اور **تیسری بات** یہ کہ باقاعدہ علاج کروائے۔ یہ تین اہم چیزیں ہیں۔ اگر ایک آدمی تشخیص ہی نہیں کروا رہا، تو علاج کس چیز کا کرے گا؟ یا اگر تشخیص کروالی، لیکن اس میں علاج کی خواہش ہی نہیں ہے تو بھی علاج مشکل ہے اور اگر صحت کی آرزو تو ہے، لیکن علاج نہیں کرواتا تو بھی مسئلہ باقی رہے گا۔ تیسری بات کی واضح مثال یہ ہے کہ سگریٹ کے نقصان دِہ ہونے کا سب کو علم ہے، سگریٹ پینے سے ہارٹ اور کینسر کا پرابلم ہو سکتا ہے۔ معلوم ہونے کے ساتھ خواہش بھی ہے کہ سگریٹ کی عادت چھوٹ جائے، لیکن چھوڑنے کی کوشش نہیں کرتا تو پوری زندگی گزر جاتی ہے، سگریٹ نہیں چھوٹتی، لہذا کسی چیز کے نقصانات کے علم اور علاج کی جستجو و خواہش کے ساتھ ساتھ اس کا علاج کروانا نہایت ضروری ہے۔

باطنی امراض اور دل کی صفائی کا طریقہ بھی یہی ہے کہ پہلے اپنے امراض کا پتہ چلے کہ دینی، روحانی اعتبار سے ہمیں کیا امراض ہیں؟ ایسا تو نہیں کہ قلبی رذائل تو بے شمار ہوں، لیکن ہم مرض کو مرض ہی نہ سمجھ رہے ہوں، جیسے تکبر، حسد، دوسروں کی بدخواہی، ریاکاری، آخرت سے غفلت، دنیا کی محبت اور طلبِ شہرت سب باطنی امراض ہیں، لیکن عموماً ہمیں اس کا علم ہی نہیں ہوتا، تو ان سے نجات پانے کے لیے اولاً ان کے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، پھر قبر و حشر اور عذابِ جہنم کا سوچ سوچ کر دل میں ان برائیوں سے چھٹکارے کی رغبت پیدا کی جائے، پھر اس کے علاج کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

باطنی امراض کے علاج کا طریقہ:

اس کے لیے سب سے مؤثِّر اور مفید چیز اچھی صحبت ہے، کیونکہ انسان صحبت سے بہت جلد اثر قبول کرتا ہے، بری صحبت سے برا اور اچھی صحبت سے اچھا اثر، مثلا شرابیوں کے پاس بیٹھنے والا کچھ عرصے بعد خود بھی شراب پینا شروع کر دیتا ہے۔ سگریٹ نوشی کرنے والوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والا چند دنوں میں سگریٹ پینے پر

لگ جاتا ہے۔ فلمیں دیکھنے والوں کے پاس بیٹھنے والے میں چند دنوں میں فلمیں دیکھنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے، جبکہ کسی نیک آدمی کی خدمت یا اچھے ماحول میں آنا جانا شروع کر دیں تو نیکی کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، نمازیوں سے نماز، تلاوت کے شائقین سے تلاوت اور ذکر اللہ کے عادی حضرات سے ذکرِ الٰہی کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اچھا ماحول ہماری پوری زندگی کو بدل دیتا ہے اور اس کے لیے الحمد للہ دعوتِ اسلامی کا بہترین ماحول موجود ہے۔ یہاں عملی طور پر ہم جانتے ہیں کہ کون کس طرح کی زندگی گزار رہا تھا، لیکن دعوتِ اسلامی کے ماحول کی برکت سے اس کی زندگی میں کیسا انقلاب برپا ہو گیا۔ اُس کے کس قدر برے برے اعمال تھے، لیکن کیسے اچھے اعمال میں بدل گئے۔ نماز نہ پڑھنے والے نمازی بن گئے۔ جنہیں قرآن پڑھنا نہیں آتا تھا وہ قرآن سکھانے والے بن گئے۔ گناہوں کی عادات میں ڈوبے ہوئے لوگ دوسروں کو گناہوں سے بچانے والے بن گئے۔ مسجد میں جنہوں نے کبھی قدم نہیں رکھا تھا اب دوسروں کو دعوت دے کر مسجد میں لانے والے بن گئے۔ جن کی زبانیں ذکر الٰہی سے مانوس نہیں تھیں، اب ہاتھ میں تسبیح آگئی۔ جو محض کلمہ طیبہ پڑھ کر مطمئن ہوئے بیٹھے تھے، اب ایمان کی حفاظت کی فکر بھی پیدا ہو گئی۔ تو الحمد اللہ دعوتِ اسلامی کا مدنی ماحول ہزاروں نہیں، بلکہ بلا مبالغہ لاکھوں لوگوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کروڑ ہا کروڑ شکر ہے کہ ہم ایمان والے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان کا بیج ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ بیج ویسا پھل نہیں دے رہا، جیسا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ ہمارے قدم مسجد کی طرف پابندی کے ساتھ نہیں اٹھ رہے، علمِ دین سیکھنے کا جذبہ نہیں، تلاوت قرآن کی عادت نہیں، درود پاک اور ذکر اللہ سے اُنسیت نہیں، بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہیں۔ بیوی بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے ہمارا طریقہ کار وہ نہیں ہے جو ایک مسلمان کا ہونا چاہیے۔ ہماری نگاہیں وہ دیکھتی ہیں جو نہیں دیکھنا چاہیے، ہمارے کان وہ سنتے ہیں جو نہیں سننا چاہیے، ہماری زبان وہ بولتی ہے جو نہیں بولنا چاہیے لیکن ہمیں آنکھوں کو اُن کاموں کا عادی بنانا ہے جن کے لیے خدا نے یہ عطا فرمائی ہیں، کانوں کو اُن چیزوں کے سننے کا عادی بنانا ہے، جن کے لیے خدا نے کان پیدا فرمائے، زبان کو ان باتوں میں لگانا ہے، جن سے خدا راضی ہو اور اس کے لیے الحمد للہ، دعوت اسلامی کا مدنی ماحول ہمارے لیے سیکھنے، خود کو بدلنے کا عمدہ ذریعہ اور اپنے باطنی و روحانی امراض کا علاج کرنے کا آسان راستہ ہے۔ عمل درآمد کا طریقہ یہ ہے کہ اول تو ہفتہ وار اجتماع کی اول تا آخر

شرکت کی بھرپور پابندی کریں، اس سے ان شاء اللہ عزوجل ہفتہ واری روحانی ٹیوننگ ہو جائے گی، پھر مدنی چینل دیکھنے کا معمول بنائیں اور ان تمام کاموں سے اس چیز پر پوری توجہ رکھیں کہ جتنا سننا ہے اس سے زیادہ وقت عمل کرنے میں گزارنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے محبوب صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی نظر رحمت سے ہمارے ایمان کا بیج اعلیٰ قسم کا خوشگوار پھل دینا شروع کر دے گا۔

اللہ کریم ہمیں ایمان پر استقامت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان کی حلاوت اور مٹھاس نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

ماخذ و مراجع

نمبر شمار	کتاب	مصنف / مؤلف	مطبوعہ
1	قرآن مجید	کلامِ الٰہی عزوجل	مکتبۃ المدینہ، کراچی
2	صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ	دار طوق النجاۃ، بیروت
3	الصحیح لمسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ	دار احیاء التراث العربی، بیروت
4	سنن ترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ	دار الغرب الاسلامی، بیروت
5	سنن ابی داؤد	امام ابو داود سجستانی رحمۃ اللہ علیہ	دار الرسالۃ العالمیہ، بیروت
6	سنن النسائی	امام أبوعبد الرحمن أحمد بن شعیب النسائی رحمۃ اللہ علیہ	المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر
7	المصنف ابن ابی شیبۃ	امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبۃ	مکتبۃ الرشد، ریاض
8	شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
9	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ	دار البشائر الاسلامیہ، بیروت
10	اتحاف السادۃ المتقین	محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی الزبیدی	دار الکتب العلمیہ، بیروت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”حدیث“

حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

”اَلْاِیمَانُ بضع وَسَبْعُونَ شُعْبَۃ فأفضلھا: قَول لَاإِلٰہَ إِلَّا اللہُ وَأَدْنَاھَا: إِمَاطَۃُ الْأَذٰی عَنِ الطَّرِیق والحیاۃ شُعْبَۃ من الایمان“ ترجمہ: ایمان کی ستر سے کچھ زائد شاخیں ہیں، ان میں سب سے افضل یہ کہنا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اور سب سے ادنیٰ یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹادینا اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

(الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب شعب الایمان، ج1، ص63، بیروت)

فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی
UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278
www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net
feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net